گوشۂ مہمانان

اسلام کی نشاۃ ثانیہ اور علامہ اقبال

پروفیسر ڈاکٹر عبدالمغنی

عام طور پر جب ہم اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا فقرہ استعمال کرتے ہیں تو درحقیقت مسلمانوں یا امت مسلمہ کے دوبارہ عروج کا تصور کرتے ہیں ، اس لیے کہ نشاۃ ثانیہ کی ترکیب میں تجدید کا جو مفہوم ہے، وہ درحقیقت ایک انگریزی لفظ Renaissance کا ترجمہ ہے ، ورنہ اصلاً اردو اور فارسی میں تجدید و احیائے دین کے الفاظ اسی دین اسلام کی طرف لوٹنے اور اس پر عمل کرنے کے لیے استعمال کیے جاتے رہے ہیں جو اپنی خالص و کامل شکل میں ڈیڑھ ہزار سال قبل حضرت محمدﷺ پر وحی الٰہی کے ذریعے، دنیا کے سامنے، انسانیت کی ایک متاع گم شدہ کے طور پر پیش کیا گیا تھا اور بتایا گیا تھا کہ کائنات کی ابتدا سے یہی دین فطرت اور نظام قدرت رہا ہے، اور کائنات کی انتہا تک رہے گا - چونکہ قرآن مجید کی صورت میں دین اسلام خدا کے آخری رسولﷺ کا دیا ہوا خدا کا آخری پیغام ہے، لہٰذا اس کے کبھی ختم ہو کر دوبارہ، اور از سر نو فروغ پانے کا سوال نہیں اٹھتا - یہی وجہ ہے کہ پندرہ سو سال کی تاریخ میں مسلمانوں یا ملت اسلامیہ کے عروج و زوال کے ہر دور میں اسلام ، قرآن و سنت کے مطابق، اپنی اصلیت کے ساتھ، باقی رہا ہے اور مغرب میں عیسائیت کی طرح اس کی کوئی نئی تعبیر و تصور نہیں نکالی گئی نہ ہی اس کے بنیادی ارکان کی تشریح و تعمیل میں کوئی تبدیلی واقع ہوئی -

اس اعتبار سے عصر حاضر میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لیے علامہ اقبال نے جو کارنامہ انجام دیا، وہ صرف اصل اسلام کی جدید محاورے میں ترجمانی کا ہے- یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اپنے انگریزی خطبات پر مشتمل کتاب کا نام *Reconstruction of Religious Thought In Islam* یعنی اسلام میں دینی فکر یا مذہبی تفکر کی تشکیل جدید رکھا ، جس کے اردو ترجمے کا عنوان پتا نہیں کیوں <u>تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ</u> کے الفاظ میں قائم کیا گیا - اول تو انگریزی اصطلاح Theology کا اردو ترجمہ ''الٰہیات'' بجائے خود مشتبہ ہے ، جبکہ ایک دوسرا

ترجمہ ''دینیات'' بھی ہو سکتا ہے، اور دینیات و الٰہیات، دونوں ہی لفظوں میں اسلام کی تشکیل جدید نا قابل اعتبار ہی نہیں، نا قابل تصور ہے؛ البتہ دینی فکر یا مذہبی تفکر، جیسا کہ اقبال کے اختیار کردہ انگریزی الفاظ'' Religious Thought ''سے واضح ہے، معقول و مقبول ہے - اس طرح صحیح معنوں میں اقبال کا منصب بیسویں صدی میں ایک متکلم یا مفکر اسلام کا ہے- دور جدید میں اسلامی نشاۃ ثانیہ کے سلسلے میں اقبال کے افکار و خیالات زیادہ تر ان کی اردو اور فارسی شاعری میں رو بہ اظہار آئے ہیں - یہ شاعری فکر و فن کا ایک ایسا باکمال مجموعۂ خوبی ہے جس میں ایک طرف آج کے مسلمانوں یا ملت اسلامیہ کی کمزوریوں کا تجزیہ اور مغرب زدہ ماحول کا تنقیدی جائزہ وضاحت اور گہرائی کے ساتھ ہے تو دوسری طرف اسلامی نصب العین کو اس جوش ، حوصلے اور ولولے کے ساتھ پیش کیا گیا ہے کہ دماغوں میں روشنی اور دلوں میں گرمی پیدا ہوتی ہے - یہ اقبال کی غیر معمولی بصیرت تھی اور ان کے ایمان کی پختگی کہ مشرقی علوم وفنون کے علاوہ مغربی علوم وفنون سے مکمل واقفیت اور براہ راست مغربی ترقیات اور تمدنی وتہذیبی حالات و رجحانات سے آگاہی کے باوجود ان کا ذہن اور کردار ان کیفیات میں مبتلا نہیں ہوا جنہوں نے اہل مشرق کو مرعوب کر رکھا تھا ، بلکہ انہوں نے مغرب کے غلبے کو ایک چیلنج کے طور پر قبول کیا اور اس کے طلسم کو اپنے کلام کی قوت سے، نظریاتی طور پر ، توڑ کر رکھ دیا - <u>اسرار خودی</u> اور <u>رموز بیخودی</u> لکھ کر اقبال نے مغرب کی ذہنی برتری کا پول اس وقت کھول دیا جب اس کا ڈھول زور و شور سے پورے گلوب پر بج رہا تھا - ان دونوں کتابوں نے مسلمانوں اور تمام اہل مشرق کو اپنے وجود کی انفرادیت اور اجتماعیت، دونوں کے تحفظ و ترقی کا پیغام دیا - یہی وہ پیغام ہے جس نے موجودہ صدی کی پہلی چوتھائی میں عالم اسلام کو اپنی نشاۃ ثانیہ کی طرف اس موثر طریقے سے متوجہ کیا کہ شخصی و ملی خودی کا جذبہ نئی نسلوں کے ذہن پر ایک نشہ بن کر چھا گیا - یہ ایک جادو تھا جو بڑے بڑے دہریوں اور ملحدوں کے بھی سر چڑھ کے بولا -

واقعہ یہ ہے کہ حالی و شبلی نے اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لیے جو ابتدائی کام کیے تھے، اس کو اقبال کی شاعری نے آفاقی سطح پر بہت آگے بڑھا دیا - اس مہم میں احیائے دین کے لیے <u>الہلال</u> کے ذریعے مولانا ابوالکلام آزاد کی کوششوں نے بھی صدی کی پہلی چوتھائی کے ہندوستان میں ایک قابل ذکر حصہ لیا، جبکہ بعد کی نصف صدی میں مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کے لٹریچر نے اقامت دین کے لیے جدوجہد کی راہ پوری دنیائے اسلام میں ہموار کی - اس سلسلے میں اقبال کا امتیاز یہ ہے کہ بیسویں صدی کے نصف اول میں انہوں نے

مغرب کے عروج کے باوجود، خاص کر مغربی تعلیم یافتہ مسلم نوجوانوں کو، ذہنی و قلبی طور پر اسلام سے وابستہ رکھا -

اقبال کی پہلی بڑی نظم ، اردو میں ''تصویر درد'' ہے جس کو اکثر لوگوں نے وطن پرستی سے منسوب کر دیا ہے ، مگر درحقیقت یہ صرف وطن دوستی ہے ، جبکہ شاعر نے جس موقف سے اشعار کہے ہیں، وہ ایک مسلمان اور اسلام پسند کا ہے -نظم کی ابتدا اس طرح ہوتی ہے:

اٹھائے کچھ ورق لالے نے ، کچھ نرگس نے ، کچھ گل نے
چمن میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستاں میری
اڑا لی قمریوں نے، طوطیوں نے ، عندلیبوں نے
چمن والوں نے مل کر لوٹ لی طرز فغاں میری

دو تمہیدی اشعار کے بعد مزید تمہید کے طور پر کہے گئے یہ اشعار ظاہر ہے کہ ہندوستان میں ملت اسلامیہ کے اس ورثے کی طرف اشارہ کرتے ہیں جو پورے ملک کے دوسرے فرقوں میں گویا تقسیم ہو گیا - آگے چل کر شاعر براہ راست مسلمانوں سے خطاب کرتا ہے :

زمیں کیا آسماں بھی تیری کج بینی پہ روتا ہے
غضب ہے سطر قرآں کو چلیپا کر دیا تو نے
زباں سے گر کیا توحید کا دعویٰ تو کیا حاصل
بنایا ہے بت پندار کو اپنا خدا تو نے

ان اشعار میں مسلمانوں کو اسلام سے انحراف اور دین کی تحریف پر خبردار کرتے ہوئے، توحید کے اصل پیغام پر عمل کرنے کی تلقین کی گئی ہے جس میں اسلامی نظریے کے تحت وطن دوستی اور وسیع تر انسان دوستی، دونوں کا مفہوم پنہاں ہے - چنانچہ نظم کے پیشتر اشعار میں اسی مفہوم کی تشریح کی گئی ہے-

اس کے بعد ۱۹۱۲ء میں ''شمع اور شاعر'' نے اسلامی نشاۃ ثانیہ کا نہ صرف اعلان بلکہ منشور بھی پیش کیا- اس میں امت مسلمہ کے زوال کی تصویر کشی بھی ہے اور دوبارہ عروج کی پیش گوئی بھی -حسب ذیل اشعار سے یہ دونوں نکات واضح ہوتے ہیں :

رو رہی ہے آج اک ٹوٹی ہوئی مینا اسے
کل تلک گردش میں جس ساقی کے پیمانے رہے

آج ہیں خاموش وہ دشت جنوں پرور جہاں
رقص میں لیلا رہی ، لیلا کے دیوانے رہے
وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا
سطوت توحید قائم جن نمازوں سے ہوئی
وہ نمازیں ہند میں نذر برہمن ہو گئیں
دہر میں عیش دوام آئیں کی پابندی سے ہے
موج کو آزادیاں سامان شیون ہو گئیں
خود تجلی کو تمنا جن کے نظاروں کی تھی
وہ نگاہیں نا امید نور ایمن ہو گئیں
شام غم لیکن خبر دیتی ہے صبح عید کی
ظلمت شب میں نظر آئی کرن امید کی
اپنی اصلیت پہ قائم تھا تو جمعیت بھی تھی
چھوڑ کر گل کو پریشاں کاروان بو ہوا
آبرو باقی تری ملت کی جمعیت سے تھی
جب یہ جمعیت گئی ، دنیا میں رسوا تو ہوا
فرد قائم ربط ملت سے ہے ، تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرون دریا کچھ نہیں
وائے نادانی ! کہ تو محتاج ساقی ہو گیا
مے بھی تو ، مینا بھی تو ، ساقی بھی تو، محفل بھی تو
شعلہ بن کر پھونک دے خاشاک غیر اللہ کو
خوف باطل کیا کہ ہے غارت گر باطل بھی تو
بے خبر ! تو جوہر آئینۂ ایام ہے
تو زمانے میں خدا کا آخری پیغام ہے
اپنی اصلیت سے ہو آگاہ اے غافل کہ تو
قطرہ ہے ، لیکن مثال بحر بے پایاں بھی ہے
سینہ ہے تیرا امیں اس کے پیام ناز کا

جو نظام دہر میں پیدا بھی ہے ، پنہاں بھی ہے
اب تلک شاہد ہے جس پر کوہ فاراں کا سکوت
اے تغافل پیشہ ! تجھ کو یاد وہ پیماں بھی ہے ؟
تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا
ورنہ گلشن میں علاج تنگی داماں بھی ہے

نظم کا آخری بند پورے کا پورا عصر حاضر میں اسلامی نشاۃ ثانیہ کا ایک بے مثال وجد آفریں نغمہ ہے:

آسماں ہو گا سحر کے نور سے آئینہ پوش
اور ظلمت رات کی سیماب پا ہو جائے گی
اس قدر ہو گی ترنم آفریں باد بہار
نکہت خوابیدہ غنچے کی نوا ہو جائے گی
آ ملیں گے سینہ چاکان چمن سے سینہ چاک
بزم گل کی ہم نفس باد صبا ہو جائے گی
شبنم افشانی مری پیدا کرے گی سوز و ساز
اس چمن کی ہر کلی درد آشنا ہو جائے گی
دیکھ لو گے سطوت رفتار دریا کا مآل
موج مضطر ہی اسے زنجیر پا ہو جائے گی
پھر دلوں کو یاد آ جائے گا پیغام سجود
پھر جبیں خاک حرم سے آشنا ہو جائے گی
نالۂ صیاد سے ہوں گے نوا ساماں طیور
خون گل چیں سے کلی رنگیں قبا ہو جائے گی
آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے ، لب پہ آ سکتا نہیں
محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی
شب گریزاں ہو گی آخر جلوۂ خورشید سے
یہ چمن معمور ہو گا نغمۂ توحید سے

جنگ عظیم اوّل سے دو سال قبل لکھی ہوئی یہ نظم ، جب کہ برطانیہ کی سلطنت پر آفتاب

غروب نہیں ہوتا تھا اور ملت اسلامیہ میں بچی کھچی خلافت کا تصور بھی عثمانی ترکوں کے زوال کے سبب ماند پڑنے لگا تھا، فراست ایمانی اور جرأت ایمانی، دونوں کی ایک تاریخی دستاویز ہے جس کی کوئی نظیر دورجدید کے ادب میں نہیں پائی جاتی ،خواہ وہ کسی زبان اور خطے کا ہو- یہ نظم اقبال کی آفاقی بصیرت کا ایک نادر شاہکار ہے- اسے بیسویں صدی میں نشاۃ ثانیہ کی اسلامی تحریک کا پہلا موثر تخلیقی اظہار قرار دیا جانا چاہیے-

اسی زمانے میں اقبال نے ''شکوہ'' لکھ کر مسلمانوں کے حال زار پر اللہ تعالٰی سے فریاد کی:

رحمتیں ہیں تری اغیار کے کاشانوں پر
برق گرتی ہے تو بے چارے مسلمانوں پر

لیکن نظم کا خاتمہ اصلاح احوال اور اس میں اپنے کلام کی تاثیر کے لیے اس دعا پر ہوا:

چاک اس بلبل تنہا کی نوا سے دل ہوں
جاگنے والے اسی بانگ درا سے دل ہوں
یعنی پھر زندہ نئے عہد وفا سے دل ہوں
پھر اسی بادۂ دیرینہ کے پیاسے دل ہوں
عجمی خم ہے تو کیا ، مے تو حجازی ہے مری
نغمہ ہندی ہے تو کیا ، لے تو حجازی ہے مری

اس فریاد اور دعا کے جواب میں بارگاہ خداوندی سے جو'' جواب شکوہ'' آیا وہ اسلامی نشاۃ ثانیہ کی یقین دہانی اور اس کے لیے ہدایات پر مشتمل ہے:

چشم اقوام سے مخفی ہے حقیقت تیری
ہے ابھی محفل ہستی کو ضرورت تیری
زندہ رکھتی ہے زمانے کو حرارت تیری
کوکب قسمت امکاں ہے خلافت تیری
وقت فرصت ہے کہاں ، کام ابھی باقی ہے
نور توحید کا اتمام ابھی باقی ہے

اس سے پہلے اسی نظم میں عہد نو کا یہ تجزیہ اور اس کی تباہ کاریوں کے باوجود ملت ختم رسل ﷺ کے لیے مستقبل کا یہ مژدہ بھی دیا گیا:

عہد نو برق ہے ، آتش زن ہر خرمن ہے
ایمن اس سے کوئی صحرا نہ کوئی گلشن ہے
اس نئی آگ کا اقوام کہن ایندھن ہے
ملت ختم رسل شعلہ بہ پیراہن ہے
آج بھی ہو جو براہیم کا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے انداز گلستاں پیدا
دیکھ کر رنگ چمن ہو نہ پریشاں مالی
کوکب غنچہ سے شاخیں ہیں چمکنے والی
خس و خاشاک سے ہوتا ہے گلستاں خالی
گل بر انداز ہے خون شہدا کی لالی
رنگ گردوں کا ذرا دیکھ تو عنابی ہے
یہ نکلتے ہوئے سورج کی افق تابی ہے

یہ تاریخی نظم اس ولولہ خیز بند پر ختم ہوتی ہے :

عقل ہے تیری سپر ، عشق ہے شمشیر تری
مرے درویش ! خلافت ہے جہاں گیر تیری
ماسوی اللہ کے لیے آگ ہے تکبیر تری
تو مسلماں ہو تو تقدیر ہے تدبیر تری
کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا ، لوح و قلم تیرے ہیں

اسی نظم میں ایک واضح اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ اسلام کی نشاۃ ثانیہ درحقیقت عصر حاضر میں پوری انسانیت کی نشاۃ ثانیہ ہے ، اس لیے کہ تمام مادی ترقیات کے باوجود انسانی قدریں تباہ ہو رہی ہیں اور ان کا تحفظ صرف اسلامی نظریۂ حیات کر سکتا ہے ، جو پرانی جاہلیت کی طرح نئی جاہلیت کی تاریکی کو بھی دور کر کے سارے عالم میں ایک بار پھر فتنہ و فساد کے بجائے اصلاح و فلاح کی روشنی پھیلا سکتا ہے:

کشتی حق کا زمانے میں سہارا تو ہے
عہد نو رات ہے ، دھندلا سا ستارا تو ہے

لیکن آج کی دنیا کی اس ناخدائی اور رہنمائی کے لیے مسلمانوں کو خود اپنی اصلاح کے

لیے تنبیہ بھی کی گئی ہے، ان کی دکھتی رگوں پر ہاتھ رکھ دیا گیا ہے اور قیادت کے لیے درکار اوصاف کا بھولا ہوا سبق یاد دلایا گیا ہے:

منفعت ایک ہے اس قوم کی ، نقصان بھی ایک
ایک ہی سب کا نبی ، دین بھی ، ایمان بھی ایک
حرم پاک بھی ، اللہ بھی ، قرآن بھی ایک
کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک
فرقہ بندی ہے کہیں ، اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں ؟
جا کے ہوتے ہیں مساجد میں صف آرا تو غریب
زحمت روزہ جو کرتے ہیں گوارا تو غریب
نام لیتا ہے اگر کوئی ہمارا تو غریب
پردہ رکھتا ہے اگر کوئی تمھارا تو غریب
امرا نشۂ دولت میں ہیں غافل ہم سے
زندہ ہے ملت بیضا غربا کے دم سے
واعظ قوم کی وہ پختہ خیالی نہ رہی
برق طبعی نہ رہی ، شعلہ مقالی نہ رہی
رہ گئی رسم اذاں ، روح بلالی نہ رہی
فلسفہ رہ گیا ، تلقین غزالی نہ رہی
مسجدیں مرثیہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے
یعنی وہ صاحب اوصاف حجازی نہ رہے
شور ہے ہو گئے دنیا سے مسلماں نا بود
ہم یہ کہتے ہیں کہ تھے بھی کہیں مسلم موجود ؟
وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں ! جنھیں دیکھ کے شرمائیں یہود !
یوں تو سید بھی ہو ، مرزا بھی ہو ، افغان بھی ہو
تم سبھی کچھ ہو ، بتاؤ تو مسلمان بھی ہو

''خضر راہ'' میں اقبال نے دور جدید کے مسائل پر بین الاقوامی نکتۂ نظر سے روشنی

ڈالتے ہوئے زندگی ، سلطنت اور سرمایہ ومحنت کی کشمکش کا راز بتایا - اسی تناظر میں انہوں نے دنیائے اسلام کا جائزہ لیا ، جس میں ترک وعرب کی آویزش کا ذکر کرتے ہوئے ملی انتشار پر تبصرہ کیا :

حکمت مغرب سے ملت کی یہ کیفیت ہوئی
ٹکڑے ٹکڑے جس طرح سونے کو کر دیتا ہے گاز

اس کے بعد نشاۃ ثانیہ کے لیے خالص نظریاتی بنیاد پر ملی اتحاد ، اخوت و مساوات اور پورے مشرق کے لیے اسلامی نشاۃ ثانیہ کی اہمیت کا احساس اس طرح دلایا :

ربط و ضبط ملت بیضا ہے مشرق کی نجات
ایشیا والے ہیں اس نکتے سے اب تک بے خبر
پھر سیاست چھوڑ کر داخل حصار دیں میں ہو
ملک و دولت ہے فقط حفظ حرم کا اک ثمر
ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے
نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاک کاشغر
جو کرے گا امتیاز رنگ و خوں مٹ جائے گا
ترک خرگاہی ہو یا اعرابی والا گہر
نسل اگر مسلم کی مذہب پر مقدم ہو گئی
اڑ گیا دنیا سے تو مانند خاک رہ گزر
تاخلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر!

نظم کا خاتمہ عالم انسانیت کے لیے اسلام کے آفاقی پیغام اور اس کی تجدید، نیز غلبے کے اشارات پر ہوتا ہے :

عام حریت کا جو دیکھا تھا خواب اسلام نے
اے مسلماں آج تو اس خواب کی تعبیر دیکھ
اپنی خاکستر سمندر کو ہے سامان وجود
مر کے پھر ہوتا ہے پیدا یہ جہان پیر دیکھ
کھول کر آنکھیں مرے آئینۂ گفتار میں
آنے والے دور کی دھندلی سی اک تصویر دیکھ

آزمودہ فتنہ ہے اک اور بھی گردوں کے پاس
سامنے تقدیر کے رسوائی تدبیر دیکھ
مسلم استی سینہ را از آرزو آباد دار
ہر زماں پیش نظر ''لا یخلف المیعاد'' دار

''طلوع اسلام'' جیسا کہ ترکیب الفاظ ہی سے ظاہر ہے، براہ راست دور حاضر میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے موضوع پر لکھی گئی ہے- جنگ عظیم اول ۱۸-۱۹۱۴ء کے بعد یورپ کے اتحادیوں نے جب ترکی پر حملہ کیا اور ترک مسلمانوں نے اتحادی عیسائیوں کا کامیاب مقابلہ کیا تو ان کی اس عظیم الشان تاریخی کامیابی کو اقبال نے ایک مدت تک آفتاب اسلام کے غروب کے بعد اس کے دوبارہ طلوع سے تعبیر کیا، گرچہ یہ طلوع وغروب اسلام کی ابدی کائنات میں صرف مطلع کا فرق ہے:

جہاں میں اہل ایماں صورت خورشید جیتے ہیں
ادھر ڈوبے ادھر نکلے، ادھر ڈوبے ادھر نکلے

اسلام کی تاریخ میں قانون قدرت کے مطابق نشیب وفراز اور عروج زوال آتے رہے ہیں، لیکن یہ دین خدا کا آخری پیغام ہے اوراولین بھی، جو ہمیشہ رہے گا - یہی وجہ ہے کہ ملت اسلامیہ کی تجدید بار بار ہوتی رہی ہے، اور موجودہ صدی یا موجودہ زمانے میں بھی اس کی نئی آب وتاب کے آثار نمایاں ہیں، جن کا آغاز صدی کی پہلی چوتھائی کے اواخر ہی میں اتحادیوں کے مقابلے میں ترکوں کی فتح یابی سے ہوا - اگرچہ یہ فتح دفاعی، وقتی اور معمولی تھی، مگر تقریباً دو صدیوں کی شکست و ریخت کے بعد دنیا کے کسی خطے میں مسلمانوں کا عیسائیوں سے کامیاب مقابلہ بجاے خود کامرانی کی ایک دلیل اور شادمانی کا باعث تھا- اسی جہت سے مفکر شاعر نے اس کا معرکہ آرا جشن منایا اور آئندہ زیادہ بڑی کامیابیوں کا حوصلہ دلایا - اس موقع پر اقبال نے موجودہ ملت اسلامیہ کے مزاج وکردار کا تجزیہ بھی کیا اور اس کے احوال کا جائزہ بھی لیا - انہوں نے اس سلسلے میں دور حاضر کے عالم انسانیت کی برتری پر بھی روشنی ڈالی اور مسلمانوں کے ہاتھوں اس کی متوقع بہتری کی توقع بھی ظاہر کی - اس طرح علامہ اقبال نے اسلامی نشاۃ ثانیہ کو ایک آفاقی تناظر میں پیش کیا اور دین وملت کی بین الاقوامی حیثیت و اہمیت کی نشان دہی کی - ان نکات کی

طرف اشارہ کرنے والے اشعار ذیل میں جستہ جستہ درج کیے جاتے ہیں:

ابھی تک آدمی صید زبون شہر یاری ہے
قیامت ہے کہ انساں نوع انساں کا شکاری ہے
نظر کو خیرہ کرتی ہے چمک تہذیب حاضر کی
یہ صناعی مگر جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے
وہ حکمت ناز تھا جس پر خرد مندان مغرب کو
ہوس کے پنجۂ خونیں میں تیغ کارزاری ہے
تدبّر کی فسوں کاری سے محکم ہو نہیں سکتا
جہاں میں جس تمدن کی بنا سرمایہ داری ہے

☆☆☆

مسلماں کو مسلماں کر دیا طوفان مغرب نے
تلاطم ہائے دریا ہی سے ہے گوہر کی سیرابی
عطا مومن کو پھر درگاہ حق سے ہونے والا ہے
شکوہ ترکمانی ، ذہن ہندی ، نطق اعرابی

☆☆☆

خدائے لم یزل کا دست قدرت تو، زباں تو ہے
یقیں پیدا کر اے غافل کہ مغلوب گماں تو ہے
پرے ہے چرخ نیلی فام سے منزل مسلماں کی
ستارے جس کی گرد راہ ہوں ، وہ کارواں تو ہے
مکاں فانی ، مکیں آنی ، ازل تیرا، ابد تیرا
خدا کا آخری پیغام ہے تو ، جاوداں تو ہے
حنا بند عروس لالہ ہے خون جگر تیرا
تری نسبت براہیمی ہے ، معمار جہاں تو ہے
تری فطرت امیں ہے ممکنات زندگانی کی
جہاں کے جوہر مضمر کا گویا امتحاں تو ہے
جہان آب و گل سے عالم جاوید کی خاطر
نبوت ساتھ جس کو لے گئی ، وہ ارمغاں تو ہے

یہ نکتہ سرگزشت ملت بیضا سے ہے پیدا
کہ اقوام زمین ایشیا کا پاسباں تو ہے
سبق پھر پڑھ صداقت کا ، عدالت کا ،شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

☆☆☆

یہی مقصود فطرت ہے ، یہی رمز مسلمانی
اخوت کی جہاں گیری ، محبت کی فراوانی
بتان رنگ و خوں کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا
نہ تورانی رہے باقی ، نہ ایرانی ، نہ افغانی
گماں آباد ہستی میں یقیں مرد مسلماں کا
بیاباں کی شب تاریک میں قندیل رہبانی
ثبات زندگی ایمان محکم سے ہے دنیا میں
کہ المانی سے بھی پائندہ تر نکلا ہے تورانی

☆☆☆

غلامی میں نہ کام آتی ہیں شمشیریں نہ تدبیریں
جو ہو ذوق یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں
کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زور بازو کا؟
نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں !
ولایت ، پادشاہی ، علم اشیا کی جہاں گیری
یہ سب کیا ہیں ؟ فقط اک نکتۂ ایماں کی تفسیریں !
براہیمی نظر پیدا مگر مشکل سے ہوتی ہے
ہوس چھپ چھپ کے سینوں میں بنا لیتی ہے تصویریں
تمیز بندہ و آقا فساد آدمیت ہے
حذر اے چیرہ دستاں سخت ہیں فطرت کی تعزیریں
حقیقت ایک ہے ہر شے کی خاکی ہو کہ نوری ہو
لہو خورشید کا ٹپکے اگر ذرے کا دل چیریں

یقیں محکم ، عمل پیہم ، محبت فاتح عالم
جہاد زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

☆☆☆

یقیں افراد کا سرمایہ تعمیر ملت ہے
یہی قوت ہے جو صورت گر تقدیر ملت ہے

تو راز کن فکاں ہے ، اپنی آنکھوں پر عیاں ہو جا
خودی کا راز داں ہو جا ، خدا کا ترجماں ہو جا
ہوس نے کر دیا ہے ٹکڑے ٹکڑے نوع انساں کو
اخوت کا بیاں ہو جا ، محبت کی زباں ہو جا
یہ ہندی ، وہ خراسانی ، یہ افغانی ، وہ تورانی
تو اے شرمندۂ ساحل اچھل کر بے کراں ہو جا
غبار آلودۂ رنگ و نسب ہیں بال و پر تیرے
تو اے مرغ حرم اڑنے سے پہلے پر فشاں ہو جا
خودی میں ڈوب جا غافل ! یہ سر زندگانی ہے
نکل کر حلقۂ شام و سحر سے جاوداں ہو جا
مصاف زندگی میں سیرت فولاد پیدا کر
شبستان محبت میں حریر و پرنیاں ہو جا
گزر جا بن کے سیل تند رو کوہ و بیاباں سے
گلستاں راہ میں آئے تو جوئے نغمہ خواں ہو جا
ترے علم و محبت کی نہیں ہے انتہا کوئی
نہیں ہے تجھ سے بڑھ کر ساز فطرت میں نوا کوئی

یہ اشعار اسلامی نشاۃ ثانیہ کا نصب العین اور لائحہ عمل ، دونوں پیش کرتے ہیں ، جن سے واضح ہوتا ہے کہ اقبال کا مطمح نظر آج کی دنیا میں ایک مکمل انقلاب ہے، اور وہ اسلام کو اس انقلاب کا آفاقی نظریہ قرار دیتے ہیں جس کے مطابق وہ عصر حاضر میں پورے نظام حیات کی تشکیل جدید چاہتے ہیں تاکہ صحیح معنوں میں عروج آدم خاکی اس طرح واقع ہو کہ انسانیت اپنے نقطۂ کمال تک پہنچ جائے اور منشاء تخلیق پورا ہو-

اقبال کا نظریۂ خودی ، تصور ارتقا اور عالم گیر انسان دوستی ، پھر ان مقاصد کے لیے

ایک آفاقی انقلاب کا تخیل ، سب کا تعلق ان کی مطلوب اسلامی نشاۃ ثانیہ سے ہے - اس سلسلے میں انہوں نے توحید و رسالت اور آخرت پر ایمان کے موضوع کو اپنی غزلوں اور نظموں کا ایک لافانی ، سحر انگیز اور طلسم آفریں نغمہ بنا دیا ہے - بال جبریل کی ایک غزل کے حسب ذیل اشعار اسی حقیقت کی نشان دہی کرتے ہیں :

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں　　ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں
تہی زندگی سے نہیں یہ فضائیں　　یہاں سیکڑوں کارواں اور بھی ہیں
قناعت نہ کر عالم رنگ و بو پر　　چمن اور بھی ، آشیاں اور بھی ہیں
اگر کھو گیا اک نشیمن تو کیا غم　　مقامات آہ و فغاں اور بھی ہیں
تو شاہیں ہے ، پرواز ہے کام تیرا　　ترے سامنے آسماں اور بھی ہیں
اسی روز و شب میں الجھ کر نہ رہ جا　　کہ تیرے زمان و مکاں اور بھی ہیں

'' ساقی نامہ'' کا اختتام جن اشعار پر ہوتا ہے ، ان میں سے چند یہ ہیں جو خدا کے لیے انسان کی بندگی اور بندۂ خدا کی ترقی پر روشنی ڈالتے ہیں :

وہی سجدہ ہے لائق اہتمام　　کہ ہو جس سے ہر سجدہ تجھ پر حرام
تری آگ اس خاکداں سے نہیں　　جہاں تجھ سے ہے، تو جہاں سے نہیں
بڑھے جا یہ کوہ گراں توڑ کر　　طلسم زمان و مکاں توڑ کر
خودی شیر مولا، جہاں اس کا صید　　زمیں اس کی صید، آسماں اس کا صید
جہاں اور بھی ہیں ابھی بے نمود　　کہ خالی نہیں ہے ضمیر وجود
ہر اک منتظر تیری یلغار کا　　تری شوخی فکر و کردار کا
یہ ہے مقصد گردش روز گار　　کہ تیری خودی تجھ پہ ہو آشکار
تو ہے فاتح عالم خوب و زشت　　تجھے کیا بتاؤں تری سرنوشت

'' مسجد قرطبہ'' اسلامی نشاۃ ثانیہ کی ایک مجسم علامت ہے - اس کے چند اشعار مسلمانوں کو تاریخ عالم میں ان کا مقام اور کام ، ان کی حیثیت اور اہمیت دونوں ، بتانے کے لیے کافی ہوں گے :

مٹ نہیں سکتا کبھی مرد مسلماں کہ ہے
اس کی اذانوں سے فاش سّر کلیمؑ و خلیلؑ
اس کی زمیں بے حدود، اس کا افق بے ثغور
اس کے سمندر کی موج دجلہ و دنیوب و نیل

اس کے زمانے عجیب ، اس کے فسانے غریب
عہد کہن کو دیا اس نے پیام رحیل

☆☆☆

ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا ہاتھ
غالب و کار آفریں ، کار کشا ، کار ساز
خاکی و نوری نہاد بندۂ مولا صفات
ہر دو جہاں سے غنی اس کا دل بے نیاز
اس کی امیدیں قلیل ، اس کے مقاصد جلیل
اس کی ادا دل فریب، اس کی نگہ دل نواز
نرم دم گفتگو ، گرم دم جستجو
رزم ہو یا بزم ہو ، پاک دل و پاک باز
نقطۂ پرکار حق ، مرد خدا کا یقیں
اور یہ عالم تمام وہم و طلسم و مجاز
عقل کی منزل ہے وہ ، عشق کا حاصل ہے وہ
حلقۂ آفاق میں گرمی محفل ہے وہ

☆☆☆

عالم نو ہے ابھی پردۂ تقدیر میں
میری نگاہوں میں ہے اس کی سحر بے حجاب
پردہ اٹھا دوں اگر چہرۂ افکار سے
لا نہ سکے گا فرنگ میری نواؤں کی تاب
جس میں نہ ہو انقلاب ، موت ہے وہ زندگی
روح امم کی حیات کشمکش انقلاب
صورت شمشیر ہے دست قضا میں وہ قوم
کرتی ہے جو ہر زماں اپنے عمل کا حساب

ضرب کلیم میں اقبال نے تجدید انسانیت کے لیے یہ اعلان حق کیا :

یہ دور اپنے براہیم کی تلاش میں ہے
صنم کدہ ہے جہاں ، لا الٰہ الا اللہ

'' فقر وملوکیت'' کے عنوان سے اسلام کو'' فقر غیور'' قرار دے کر اس کے دوبارہ فروغ کی یہ پیش قیاسی کی گئی :

اب ترا دور بھی آنے کو ہے اے فقر غیور
کھا گئی روح فرنگی کو ہوائے زر و سیم

چنانچہ'' سلطانی'' کے بارے میں کہا گیا :

یہی مقام ہے مومن کی قوتوں کا عیار
اسی مقام سے آدم ہے ظل سبحانی

ہندوستان میں اسلام کی صورت حال پر ایک نظم'' ہندی اسلام'' میں اس طرح تبصرہ کیا گیا :

مسکینی و محکومی و نومیدیٔ جاوید
جس کا یہ تصوف ہو وہ اسلام کر ایجاد
ملّا کو جو ہے ہند میں سجدے کی اجازت
ناداں یہ سمجھتا ہے کہ اسلام ہے آزاد

قلندر کو مرد مومن کی علامت قرار دیتے ہوئے'' قلندر کی پہچان'' یہ بتائی گئی :

مہر و مہ و انجم کا محاسب ہے قلندر
ایام کا مرکب نہیں راکب ہے قلندر

'' کافر و مومن'' کے عنوان سے اسلام کی آفاقی حیثیت کی نشان دہی اس فکر انگیز طریقے سے کی گئی :

کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے
مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہیں آفاق

ایک ہمہ گیر عالمی انقلاب کے لیے'' مہدی برحق'' کا تصور پیش کیا گیا :

دنیا کو ہے اس مہدی برحق کی ضرورت
ہو جس کی نگہ زلزلۂ عالم افکار

'' مدنیت اسلام'' کی تشریح ان معنی خیز لفظوں میں کی گئی :

عناصر اس کے ہیں روح القدس کا ذوق جمال
عجم کا حسن طبیعت ، عرب کا سوز دروں

'' امامت'' کی تعریف کرتے ہوئے اس نکتے پر زور دیا گیا :

فتنۂ ملت بیضا ہے امامت اس کی
جو مسلماں کو سلاطیں کا پرستار کرے

رسالت محمدی کی خاص شان ''نبوت'' کے عنوان سے ایک پیغام کے طور پر یہ بتائی گئی :

وہ نبوت ہے مسلماں کے لیے برگ حشیش
جس نبوت میں نہیں قوت و شوکت کا پیام

وحدت آدم اور ملت آدم کے تصورات اس انداز سے پیش کیے گئے :

مکے نے دیا خاک جنیوا کو یہ پیغام
جمعیت اقوام کہ جمعیت آدم ؟

''آزادی'' کے موضوع پر یہ خیال انگیز اور بصیرت افروز تبصرہ کیا گیا :

ہے مملکت ہند میں اک طرفہ تماشا
اسلام ہے محبوس ، مسلمان ہے آزاد !

''شعاع امید'' میں عصر حاضر کے عالمی ماحول کی تاریکی کا جائزہ لیتے ہوئے واضح کیا گیا کہ روشنی کی امید مشرق سے ہے ، جس کا مرکز ہندوستان بن گیا ہے - بہرحال مشرق سے ابھرنے والی روشنی سارے عالم کے لیے ہوگی :

مشرق سے ہو بیزار، نہ مغرب سے حذر کر
فطرت کا اشارہ ہے کہ ہر شب کو سحر کر

ارمغان حجاز میں ''ابلیس کی مجلس شوریٰ'' کا موضوع یہ ہے کہ مغربی سرمایہ داری اور جمہوریت کے تحت شیطنت کا راج ہوگیا ہے ، جبکہ اشتراکیت بھی اس شیطانی راج کے لیے کوئی خطرہ نہیں ، لہٰذا ابلیس کو اگر اپنے اقتدار کے ختم ہونے کا اندیشہ ہے تو صرف اسلام کی نشاۃ ثانیہ اور مسلمانوں کی اسلامی نظریے کے مطابق بیداری اور سرگرمی سے ہے ، اس لیے شیطان کی حکمت عملی یہ ہے کہ دین و سیاست ، معیشت و معاشرت اور تہذیب و ادب و زندگی کے سبھی دائروں میں مسلمان حسب معمول توہمات وخرافات میں مبتلا رہیں اور اصل اسلام کی طرف رجوع نہ کریں ، جس کے انقلابی اصول دنیا سے ایک بار پھر شیطنت کا خاتمہ کر دیں گے ، چنانچہ وہ اپنی تشویش کا اظہار اس طرح کرتا ہے :

جانتا ہوں میں یہ امت حامل قرآں نہیں
ہے وہی سرمایہ داری بندۂ مومن کا دیں

جانتا ہوں میں کہ مشرق کی اندھیری رات میں
بے ید بیضا ہے پیران حرم کی آستیں
عصر حاضر کے تقاضاؤں سے ہے لیکن یہ خوف
ہو نہ جائے آشکارا شرع پیغمبر کہیں
الحذر ، آئین پیغمبر سے سو بار الحذر
حافظ ناموس زن ، مرد آزما ، مرد آفریں
موت کا پیغام ہر نوع غلامی کے لیے
نے کوئی فغفور و خاقاں ، نے فقیر رہ نشیں
کرتا ہے دولت کو ہر آلودگی سے پاک و صاف
منعموں کو مال و دولت کا بناتا ہے امیں
اس سے بڑھ کر اور کیا فکر و عمل کا انقلاب
پادشاہوں کی نہیں ، اللہ کی ہے یہ زمیں
چشم عالم سے رہے پوشیدہ یہ آئیں تو خوب
یہ غنیمت ہے کہ خود مومن ہے محروم یقیں
ہے یہی بہتر الٰہیات میں الجھا رہے
یہ کتاب اللہ کی تاویلات میں الجھا رہے

اقبال کی نظموں اور غزلوں کا پہلا مجموعہ فارسی میں پیام مشرق کے نام سے جنگ عظیم اول کے خاتمے (۱۹۱۸ء) کے چار سال بعد شائع ہوا ، جس پر انھی کا لکھا ہوا ایک مختصر لیکن نہایت اہم اردو دیباچہ بھی ہے - اس میں انہوں نے مغرب کے زوال و انتشار کا ذکر کرتے ہوئے ایک ایسی نئی دنیا کے ابھرنے کی پیش گوئی کی ہے جس میں مشرق کا کردار فیصلہ کن ہوگا ، اس لیے کہ بقول ایک جرمن شاعر ، ہائنا کے ''مغرب اپنی کمزور اور سرد روحانیت سے بیزار ہو کر مشرق کے سینے سے حرارت کا متلاشی ہے''- یہ بات اس نے گوئٹے کے مغربی دیوان پر تبصرہ کرتے ہوئے کہی ، جو جرمن ادبیات کی تحریک مشرقی کا ایک نمونہ ہے ، اور جس کے جواب میں اقبال نے پیام مشرق لکھ کر اس کے سرنامے پر یہ قرآنی آیت تحریر کی :

''و لله المشرق و المغرب''
مشرق و مغرب دونوں اللہ کے ہیں

اسی دیباچے میں اقبال نے یوں اظہار خیال کیا ہے:

'' اقوام عالم کا باطنی اضطراب ...... ایک بہت بڑے روحانی اور تمدنی انقلاب کا پیش خیمہ ہے- یورپ کی جنگ عظیم ایک قیامت تھی جس نے پرانی دنیا کے نظام کو قریباً ہر پہلو سے فنا کر دیا ہے ، اور اب تہذیب و تمدن کی خاکستر سے فطرت زندگی کی گہرائیوں میں ایک نیا آدم اور اس کے رہنے کے لیے ایک نئی دنیا تعمیر کر رہی ہے''-

آگے چل کر اقبال رقم طراز ہیں :

'' مشرق اور بالخصوص اسلامی مشرق نے صدیوں کی مسلسل نیند کے بعد آنکھ کھولی ہے ، مگر اقوام شرق کو یہ محسوس کر لینا چاہیے کہ زندگی اپنے حوالی میں کسی قسم کا انقلاب پیدا نہیں کر سکتی جب تک کہ پہلے اس کی اندرونی گہرائیوں میں انقلاب نہ ہو ، اور کوئی دنیا خارجی وجود اختیار نہیں کر سکتی جب تک کہ اس کا وجود پہلے انسانوں کے ضمیر میں متشکل نہ ہو- فطرت کا یہ اٹل قانون جس کو قرآن نے ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیروا مابانفسہم کے سادہ اور بلیغ الفاظ میں بیان کیا ہے ، زندگی کے فردی اور اجتماعی دونوں پہلوؤں پر حاوی ہے ، اور میں نے اپنی فارسی تصانیف میں اسی صداقت کو مدنظر رکھنے کی کوشش کی ہے''-

علامہ اقبال کی فارسی تصانیف کا دائرہ اسرار خودی سے ارمغان حجاز کے فارسی حصے تک محیط ہے- ان میں پیام مشرق کی غزلیات ومنظومات کے علاوہ زبور عجم کی غزلیات اور جاوید نامہ کی عظیم الشان تمثیلی نظم سب سے نمایاں ہیں- ایک طویل نظم پس چہ باید کرد اے اقوام شرق! بھی اپنے مفصل لائحۂ عمل کے لیے خاص طور پر قابل ذکر ہے- اردو کی شاعرانہ تصانیف میں اقبال نے جو افکار و خیالات پیش کیے ہیں ، بنیادی طور پر وہی فارسی میں بھی بیان کیے گئے ہیں- اردو نثر اور انگریزی میں بھی اقبال کے مقالات و مکاتیب کا انداز فکر وہی ہے جو شاعری میں ظاہر ہوا ہے- اس طرح تقریباً چالیس سال کی مدت میں اقبال کی تمام تحریروں کا ماحصل یہ ہے :

۱ -مغربی افکار و اقدار کی بنائی ہوئی موجودہ دنیا روبہ زوال ہے-

۲ - اب انسانیت کے دوبارہ عروج کے لیے تاریخ میں ایک بار پھر مشرق ہی سے توقع کی جا سکتی ہے-

۳ - زوال آمادہ مشرق کا عروج اسلام کی نشاۃ ثانیہ پر منحصر ہے-

۴ - اسلام ایک آفاقی دین ہے، جو قانون قدرت پر مبنی ہے-
۵ - اس دین کی تکمیل حضرت محمد ﷺ کی شریعت و سیرت سے ہوئی -
۶ - لہٰذا شریعت و سیرت پوری دنیائے انسانیت کے لیے واحد نمونۂ عمل ہے-
۷ - اس شریعت و سیرت کا احیا وہ عالمی انقلاب پیدا کرے گا جس کے نتیجے میں انسانیت کی ترقی ایک بار پھر اپنے نقطۂ کمال پر پہنچ جائے گی - معراج النبیؐ کا واقعہ اسی حقیقت پر دلالت کرتا ہے-

سبق ملا ہے یہ معراج مصطفیٰؐ سے مجھے
کہ عالم بشریت کی زد میں ہے گردوں

یہ معراج انسانیت عصر حاضر میں اس لیے ضروری ہے کہ:

تیرہ و تار ہے جہاں گردش آفتاب سے
طبع زمانہ تازہ کر جلوۂ بے حجاب سے

(ذوق وشوق)